کی مطابقت بھی اس کے لیے لازمی اور ضروری ہے اور یہ کیوں ہے اس لیے کہ میں ظنون و اوہام وساوس و ہواجس اور خیالات و قیاسات نہیں ہوں بلکہ "علم یقین" اور "یقین جازم" ہوں اور میری تعلیم اور مجھ سے حاصل کردہ معرفت یقین محکم پر مبنی ہے، میں ذخیرۂ "عبرت" بھی ہوں اور خزانۂ "حجت و برہان" بھی، میں خود بھی "فطانت" ہوں اس لیے کہ قول حکیم ہوں اور دوسروں کی فطانت کے لیے دلیل راہ بھی ہوں اور ہر ایک مدرکِ حقیقت کے لیے آئینۂ ادراکِ کامل بھی۔

اگر بصارت میرے نقوش و الفاظ اور نظم و ترتیب سے اعجاز کا مشاہدہ کرتی ہے تو میرے معانی و مفاہیم اور مطالب و مدلولات عقل و خرد اور قلبِ صادق کے لیے "بصیرت" کا آئینہ دکھاتے ہیں۔

غور کرو کہ توحید خالص کی حقیقت تک کس نے پہنچایا، رسالت سے متعلق افراط و تفریط کی گمرہی سے بچا کر طریق مستقیم کس نے دکھایا، کائنات رنگ و بو میں وہ کون سی الہامی کتاب ہے جس نے ایک "اُمّی" کی معرفت دینی و دنیوی نظام کامل کا معجزانہ مظاہرہ کیا اور ماضی کے سارے بانوں کو مستقبل کے لیے جہاں بین و جہاں بان بنایا، ماضی کے مٹے ہوئے نقوش اور دھندلے خاکوں کو کدورت سے صاف کر کے کس نے بساطِ عالم پر روشن کیا اور مستقبل کے پردہ ہائے غیب کو چاک کر کے کس نے عروج و زوال اور ہدایت و ضلالتِ اقوام کو روشناس کرایا۔ اُمم ماضیہ اور اقوام سالفہ کے عبرت آموز اخبار و واقعات کو پیش کر کے رشد و ہدایت اور عبرت و موعظت کے لیے کس نے سامان مہیا کیا اور ملل حقہ میں وحدتِ ادیان کا فراموش شدہ قانون کس نے دہرایا اور معاش و معاد کو توام بنا کر کس نے حیاتِ مستعار کا پیوند حیاتِ سرمدی کے ساتھ لگایا ہو اگر ان سب سوالات کا جواب صرف اکائی سے دینا چاہتے ہو تو اُس صورت میں یہی کہنا پڑے گا کہ ایسا منظم دستور، محکم قانون، جازم عقیدہ، کامل فطانت، اور ادراکِ تام "قرآن" ہی ہے جو سر بسر "بصیرة" ہی "بصیرة" ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء تفسیر نے اس کے مقامِ بصیرة کو "علم" سے تعبیر کیا ہے یعنی